معاہدہ یہود علمی نقطۂ نظر سے

تکملۂ بحث

(از جناب شمس العلماء مولانا عبدالرحمٰن صاحب پروفیسر، دہلی یونیورسٹی)

جنوری و فروری ۱۹۴۰ء کے برہان میں ناظرین میرا ایک مضمون "معاہدۂ یہود علمی نقطہ نظر سے" کے عنوان سے پڑھ چکے ہیں۔ اس مضمون کے متعلق مارچ، اپریل اور مئی کے برہان میں جناب مولوی حفظ الرحمٰن صاحب نے اپنی دوسری طول طویل تنقید شائع فرمائی تو میں نے اس تنقید کی تحقیق شروع کی ایک نمبر کا مواد بھی ادارہ برہان کو پہنچا۔ جواب آیا۔ جواب آپ کا حق ہے لیکن اس "کہا" اور "کہتا ہوں" کے عرض و طول سے برہان کا دامن وسعت تنگ ہے۔ اچھا ہو کہ تحقیق مہمات پر اکتفا کیجئے اور اپنی بحث کے خاتمہ پر اپنی تحقیق کا آخری نتیجہ بھی لکھ دیجئے۔ بات معقول تھی اس لئے میں اپنی لکھی ہوئی تفصیل کو اختصار سے بدلتا ہوں اور "قال" "اقول" کے صفحات کو سطروں میں لانے کی کوشش کرتا ہوں۔

اس دفعہ بھی جناب مولوی صاحب نے اپنی دوسری تنقید کی ابتدا ایک توضیحی تمہید سے فرمائی ہے۔ پہلی دفعہ تمہید کی تحقیق ہم نے ارادۃً چھوڑ دی تھی۔ ہر دفعہ یہ مناسب نہیں اس دفعہ ضرورت بھی اس کی متقاضی ہے کہ اس تازہ تمہید سے بالکل اغماض نظر نہ کیا جائے۔ لئے اصل مسائل زیر بحث سے پہلے میں اس تمہید پر نظر ڈالتا ہوں۔

(۱) اس تمہید میں جناب مولوی صاحب نے جو طریقہ اثبات مدعا اور استدلال کا فتیا فرمایا ہے وہ دنیا جہان سے نرالا ہے۔[1] عام قاعدہ یہ ہے اور ہونا چاہئے کہ پہلے کوئی مسئلہ یا دعویٰ ہو۔ پھر اس کا حکم اس کے بعد حکم کی دلیل۔ لیکن رسالہ "متحدہ قومیت اور اسلام" کی حمایت میں جناب مولوی صاحب جس امر کو مصنف رسالہ کا دعویٰ فرماتے ہیں وہ رسالہ میں خود جناب

[1] تحریر میں چونکہ اختصار زیادہ ہے ناظرین برہان بابت مارچ ۱۹۴۰ء پیش نظر رکھیں۔

مولوی صاحب کے بیان اور حوالہ کے مطابق بعد میں آتا ہے (یعنی ص ۶۹۔۷۰ پر) اور اس حکم کے طریق تعمیل اور حکم کا استشہاد پہلے (یعنی ص ۴۲۔۴۳ پر) اس پر طرہ یہ ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ اصل مسئلہ رسالہ متحدہ قومیت واسلام کا ہے۔ اجنبی حکومت کے اقتدار اعلیٰ کا خاتمہ کرنا مذہبی نقطہ نظر سے واجب ہے، حالانکہ رسالہ "متحدہ قومیت واسلام" کا نہ یہ موضوع ہے نہ اصل مسئلہ، اس کا اصل موضوع اور مسئلہ ہے۔ قیام متحدہ قومیت کا جواز بلکہ وجوب جیسا کہ خود رسالہ کے نام اور اس کے بیانات ذیل سے ظاہر بلکہ اظہر من الشمس ہے۔

(۱) دہلی کی تقریر کا اصل واقعہ اور قومیت متحدہ کا خبر دینا۔

(۲) الفاظ قرآنیہ اور کلمات حدیث کا حل صرف لغات عرب سے ہوگا۔

(۳) قرآن شریف سے قوم کے معنی کی تحقیق۔

(۴) لفظ امت پر بحث۔

(۵) قومیت کے متعلق معنوی ابحاث۔

(۶) اسلام نے پیروی کرنے والوں کے لئے وحدت ملی قائم کردی ہے۔

(۷) متحدہ قومیت اور وطن سے تنفیر

یہ رسالہ کے اہم ترین ابتدائی ابواب ہیں اس کے علاوہ مصنف نے رسالہ کے پانچویں اور ساتویں صفحہ میں خود اس امر کی تصریح کردی ہے کہ رسالہ کا اصل موضوع متحدہ قومیت اور اس کا مشورہ ہے۔ ضمناً اور باتیں بھی آجائیں گی۔ لیکن جناب مولوی صاحب ان سب باتوں کے باوجود بھی فرماتے ہیں کہ اصل مسئلہ ہے۔ "اجنبی حکومت کے اقتدار اعلیٰ کا خاتمہ کرنا مذہبی نقطہ نظر سے واجب ہے۔ ظاہر ہے کہ جناب مولوی صاحب اصل مسئلہ کو اپنے کسی خاص پیش نظر مدعا کی وجہ سے بدل رہے ہیں۔

(۳) تمہید کے ان نمایاں خدوخال کی تصویر کے بعد اب آیئے جناب مولوی صاحب کی اس تنقید کی طرف جو میرے ایک جملہ کے تحت میں وہ بکمال ہوشمندی لکھتے ہیں، میں نے لکھا تھا۔

"زیر بحث نامۂ نبوی رسالہ متحدہ قومیت میں شرعی حکم کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

میرے اس قول کی تنقید جناب مولوی صاحب یوں فرماتے ہیں۔

"اس مسئلہ میں دراصل شرعی حکم یہ ہے کہ مسلم مفاد کے لئے جہاد اور صلح ومعاہدہ دونوں میں سے جو ضروری ہو وہ اختیار کرنا مذہبی فرض ہے کہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ وان جنحو اللسلم فاجنح لها۔ نیز صحیح احادیث اور صلح حدیبیہ کا اسوۂ حسنہ نص کا حکم رکھتے ہیں۔" اور صلح کی تائید میں امام شافعی کی کتاب الام سے تین حوالے نقل فرما کر اپنی طرف سے گویا یہ ثابت کر دیتے ہیں کہ جہاد و صلح دونوں فرض ہیں اور عند اللہ مساوی بھی۔"

(برہان۔ مارچ صفحہ ۱۷۳۔ ۷۴

ناظرین ذرا انصاف کریں کہ اس تنقید کو میرے بیان سے کیا واسطہ ہے۔ جناب مولوی صاحب ہی ازراہ کرم بتادیں کہ آپ کے اس مسئلہ میں جو نسہ اس کا ہے اس کا مشارالیہ میری تحریر کا کونسا مسئلہ ہے آپ کی تمہید کا کوئی مسئلہ اس کا مشارالیہ ہے تو ہوا کرے۔ میرے کلام کی تنقید سے اس کو کیا واسطہ۔ مگر مولوی صاحب کو خواہ مخواہ ایک پھندا صلح ومعاہدہ کی بحث کا اپنے ادعائے خاص کے لئے ڈالنا منظور تھا۔ بلا مناسبت بھی میرے کلام کی تنقید کے نام سے لکھ مارا اور پھر ترجمہ بھی آیۂ مذکور کا وہ کیا کہ صلّ وجلّ اور اگر (غیر مسلم) صلح ومعاہدہ کے لئے جھکیں تو تم بھی اس کام کے لئے جھک جاؤ جس کا مفہوم یہ ہے کہ غیر مسلم برسرپیکار ہوں یا نہ ہوں تم سے صلح کرنے کی طرف جھکیں تو تم بھی صلح کی طرف جھک جاؤ[1] حالانکہ قرآن مجید میں یہ حکم خاص ہے صرف ان نامسلموں کے بارے میں جو پہلے سے آمادۂ پیکار تھے سورۂ انفال کو پڑھئے یہی بات سمجھ میں آئے گی۔ اس حکم خاص کی تعمیم بھی ہوگی تو یہی کہ جو نامسلم تمہارے اور تمہارے اللہ کے دشمن تم سے، لڑنے مرنے کو تیار ہوں اور پھر امن وآشتی کی طرف جھکیں تو تم بھی امن وآشتی پر راضی ہو جاؤ یعنی جنحوا کی ضمیر سے مطلق غیر مسلم مراد نہیں اور یہ ظاہر ہے کہ اس تقید واطلاق سے غیر مسلم کے مفہوم میں کس قدر تفاوت ہو جاتا ہے جناب مولوی صاحب نے جنحوا کی ضمیر کے مصداق کو مطلق ٹھہرا کر اپنی طرف سے آیۃ میں یہ گنجائش پیدا کرلی ہے کہ غیر مسلم ابنائے وطن صلح چاہتے ہیں تو مسلمانوں کو ان سے صلح کرنا فرض ہے۔ ان جنحوا للسلم فاجنح لها کا (جو حکم خدا ہے) یہی مدعا ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے (رہا یہ امر کہ کیا ابنائے وطن نامسلموں کے ساتھ جب تک کہ وہ نہ لڑ رہے ہوں یا لڑنے پر آمادہ نہ

---

[1] صحیح ترجمہ یہ ہے کہ وہ (مشرکین جو آمادہ جنگ ہیں) صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی صلح کی طرف جھک جاؤ۔

ہوں صلح یا معاہدہ یا موادعۃ (امن آشتی سے رہنا سہنا) اسلام میں جائز ہی نہیں؟ یہ میرے نزدیک یقیناً جائز ہے لیکن نہ آیۃ مذکورہ بالا کے حکم سے کما لا یخفی۔

امام شافعی کی کتاب الام سے جناب مولوی صاحب نے درباب صلح تین عبارتیں نقل کی ہیں۔ اور تیسری عبارت کو استشہاد قرار دیا ہے لیکن وہ نہ دوسری عبارت (صفحہ ۱۰ اکتاب الام) کا استشہاد ہو سکتی ہے (کیونکہ استشہاد اس سے پہلے (صفحہ ۱۰۹ کتاب الام) آیا ہے۔ اور نہ پہلی عبارت (صفحہ ۱۱۰ کتاب الام) کا کہ استشہاد سے پہلی کی عبارت (وقد كف رسول الله صلى الله عليه وسلم عن قتال كثير من اهل الارثان بلامهادنة اذنتا طت دورهم عنهم مثل بنى تميم وربيعة واسد وطيئ حتى كانواهم الذين اسلموا) کو جناب مولوی صاحب نے صاف حذف کر دیا ہے۔ مانا کہ جناب مولوی صاحب نے کتاب الام سے جو عبارت استشہاد کے نام سے نقل کی ہے وہ استشہاد کی صلاحیت رکھتی ہے لیکن وہ اپنی جگہ پر نہ استشہاد ہے نہ امام شافعی نے اس کو استشہاد کے طریق پر استعمال کیا ہے۔ جناب مولوی صاحب نے بہ تصرف بیجا اسے استشہاد ٹھہرالیا ہے، کتاب الام سے باب المہادنۃ پڑھئے۔ تصرف بیجا کا راز کھل جائے گا مگر یہ خیال رہے کہ شہادت اور مشہود علیہ میں فصل نہیں ہوا کرتا ورنہ شہادت کے اول میں کوئی لفظ ایسا لاتے ہیں کہ معلوم ہو جائے یہ شہادت ہے۔

جہاد اور مہادنۃ بھی (خواہ وہ بمعاہدہ ہو یا بلا معاہدہ) دونوں ہم مرتبہ نہیں۔ جناب مولوی صاحب نے چاہا ہے کہ فہذا فرض اللہ علی المسلمین قتال الفریقین من المشرکین وان یہادنوھم کی سند پر امام شافعی کی زبان سے جہاد اور مہادنۃ کو برابر کا فرض بنادیں تاکہ ان کا یہ مدعا حاصل ہو جائے کہ جہاد کی طاقت نہیں ہے تو مہادنۃ صلحی لازمی ہے۔ معلوم ہوتا ہے اسی مدعا کے لئے تو جناب مولوی صاحب نے مہادنۃ غیر صلحی کے متعلق امام شافعی کی وہ عبارت حذف فرمائی ہے جو وقف کف رسول اللہ ﷺ سے شروع ہوتی ہے اور ہم ابھی نقل کر چکے ہیں۔

جناب مولوی صاحب کا یہ دعویٰ بھی بلا دلیل ہے کہ امام شافعی اور ابن قیم نے (برہان مارچ صفحہ ۱۷۵) عہد نامہ زیر بحث سے استناد کیا ہے۔ ان حضرات نے تو کہیں عہد نامہ یا ابن اسحٰق وابو عبید کی روایت کا نام نہیں لیا ہے یہ خود جناب مولوی صاحب کا فہم وقیاس ہے کہ وہ

اسی نامہ سے استناد فرماتے چونکہ یہاں ضرورت صراحت و دلیل کی ہے جو موجود نہیں اسی لئے وہ محل کلام ہے۔ ہمارے نزدیک وقوع عہد کی صحت اور متن عہد (عبارت معاہدہ) کی صحت بالکل دو الگ الگ چیزیں ہیں متن کی صحت کا مدار ہوتا ہے صحت روایت پر اور اس کا اسناد کی سلامتی پر اور یہاں وہی معرض بحث میں ہے۔ برخلاف اس کے وقوع عہد کی صحت کے لئے شہرت بھی کافی ہو سکتی ہے۔ امام شافعی [1] کی جو عبارت جناب مولوی صاحب نے نقل فرمائی ہے۔ اس سے وقوع عہد کی صحت ثابت ہو سکتی ہے نہ کہ زیر بحث عہد نامہ کی صحت۔ ابن قیم کی عبارت سے بھی جو جناب مولوی صاحب کے نزدیک نسبتہً قوی الدلالت علی المطلوب ہو گی، یہ مطلب پورا نہیں ہوتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے اول میں بھی قالوا آیا ہے جس کے معنی ہیں لوگوں نے یا فقہا نے کہا۔ یہی لوگ ابن قیم کا مستند ہیں نہ کہ یہ نامہ یا اس کی روایت یہ تحقیق ہے، جناب مولوی صاحب کی اس تحریر کی جو آپ نے صفحات میں پھیلا کر لکھی ہے اور اس میں امام شافعی، ابن قیم کے علاوہ ابن تیمیہ وغیرہ کے نام لئے ہیں۔

(برہان مارچ صفحہ ۱۷۴۔۱۷۵۔۱۷۶)

اب قبل اس کے ہم ان نتائج (برہان صفحہ ۱۷۵) تک پہنچیں جو جناب مولوی صاحب نے مذکورہ بالا اکابر امت کی تحریر سے نکالے ہیں جناب مولوی صاحب کی ایک اہم غلطی کا ذکر کر دینا مناسب مقام خیال کرتے ہیں۔

جناب مولوی صاحب نے امام شافعی کی جو دو عبارتیں (صفحہ ۱۷۴) نقل فرمائی ہیں ان میں سے دوسری عبارت میں آیا ہے اوخلة بالمسلمین اوبمن الیهم منهم اس میں سے آخر الذکر فقرہ کا جناب مولوی صاحب نے قطعاً ترجمہ ہی نہیں کیا ہے۔ اس کا نگاہ سے رہ جانا ممکن ہے۔ لیکن خلة بالفتح کو جس کے معنی ہیں رخنہ، کمزوری آپ نے خلة بالضم ٹھہرایا ہے جس کے معنی ہیں دوستی حالانکہ خلة بالضم اس مقام پر سراسر خلاف قرینہ ہے اولاً وہ لا یکلف اللہ نفساً الا وسعها کے تحت میں ہے۔ دوسرے یہی لفظ امام شافعی کے کتاب کے باب المہادنہ میں جو یقیناً مولوی صاحب نے پڑھا مکرر اس طرح آیا ہے کہ اس کو کوئی خلہ بالضم پڑھ ہی نہیں سکتا۔

---

[1] امام محمد رحمۃ اللہ سے جو روایت جناب مولوی صاحب نے مبسوط سے نقل فرمائی ہے اس کے مفاد سے ہمیں اتفاق ہے۔ اس لئے اس کی تحقیق کی ضرورت نہیں۔ اسے ہم کسی اور جگہ لائیں گے۔

اور پڑھ بھی لے تو عبارت کا مطلب نہیں سمجھ سکتا۔ وھی ھذا وذلك ان یلتحم قوم من المسلمین فیخافون ان یصطلموا الکثر العدوّ وقلتھم دخلّة فیھم فلا باس ان یعطوا فی تلك الحال شیئا من اموالھم مگر جناب مولوی صاحب اس تنبیہ کے بھی متنبہ نہ ہوئے اور خلة بالفتح کو خلة بالضم ٹھہرا کر ترجمہ یوں فرماتے ہیں کہ یا مسلمانوں کے ساتھ ان (مشرکین) کے تعلقات دوستانہ ہوں تو ان تمام صورتوں میں ان سے ترک جہاد جائز ہے۔ حالانکہ معنی امام شافعی کی عبارت کے یہ ہیں کہ جب مسلمان مشرکوں یا ان کی کسی جماعت کے مقابلہ میں کمزور ہوں۔ سرزمین مشرکین دور ہو۔ یا ان کا شمار بہت زیادہ ہو یا مسلمان مشرکوں کے بالمقابل کمزور ہوں یا ان سے قریب کے مسلمان (جن سے مدد کی امید ہو سکے) کمزور ہوں تو اس حالت میں جہاد و جنگ سے باز رہنا (جب تک یہ مواقع دور ہوں) جائز ہے۔ کہاں یہ معنیٰ اور کہاں جناب مولوی کا ترجمہ۔ سیاہ سفید اور زمین آسمان کا فرق ہے۔ مشرکوں کا من حیث القوم یا من حیث الجماعۃ مسلمانوں کا دوست ہونا۔ پھر ان کی دوستی کی بنا پر مسلمانوں کا ان پر جہاد نہ کرنا اور پھر یہ جہاد نہ کرنا شرعاً جائز ہو جانا۔ واقعی اسی اسلام کی باتیں ہیں جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

اب میں ان نتائج کو لیتا ہوں جو جناب مولوی صاحب نے اپنی تمہید و تقریب سے نکالے ہیں۔ (برہان صفحہ ۱۷۵)

(۱) مفادامت کو پیش نظر رکھنا واقعی امام یا قائم مقام امام کا فرض ہے اور وہ جہاد سے حاصل ہوتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے جہاد فرض ٹھہرایا۔ لیکن کبھی کبھی مجبوری بھی پیش آسکتی ہے۔ ولا یکلف الله نفساً الا وسعھا اس لئے قرآن سے بتفقہ اور احادیث سے بصراحت مہادنۃ کی اجازت دی ہے جو کبھی بصلح ہوتا ہے اور کبھی بغیر صلح وقد کف رسول الله عن قتال کثیر من اھل الاوثان، یہ ہے حقیقت شرعی لیکن جناب مولوی صاحب کا یہ فرمانا بطریق حصر صحیح نہیں کہ مفادامت مسلمہ کبھی جہاد سے حاصل ہوتا ہے اور کبھی صلح و معاہدہ سے اس لئے کہ تیسری صورت اور بھی ممکن ہے جیسے کہ ہم نے ابھی بیان کی۔

(۲) صلح حدیبیہ اور معاہدہ یہود دونوں کو جناب مولوی صاحب کا قابل استناد کہنا بھی درست نہیں حدیبیہ کے کئی واقعات کا قرآن میں ذکر آیا ہے اور احادیث صحیح میں بھی، گویا صلح

حدیبیہ ایک واقعہ ہے اس کی روایتیں بھی صحیح اور اسانید بھی متصل ہیں۔ بر خلاف اس کے معاہد یہود ان تمام باتوں سے محروم ہے۔

صلح حدیبیہ کی عظمت، اس کی روایت کی صحت کو دیکھئے اور پھر اس لفظی و معنوی اختلاف کو بھی جو اس کی روایات میں پایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ خاص عہد نامہ کے متن والفاظ میں بھی۔ اسی لئے وہ تا بحد اتفاق مسلّم ہے اور باقی نا مسلّم بعض محدثین نے تو اس کے متن کو روایت ہی نہیں کیا۔ معتبر اسناد نہ پائی ہوگی۔ ابن اسحٰق کا سلسلہ روایت گم نہیں ہوا تھا پھر اس کی روایت سب نے کیوں نہیں لی۔ اس کی کتاب کو اس بارے میں معتبر کیوں نہیں مانا۔ اسی لئے کہ اس کی اسناد کو قابل اعتماد نہیں جانا۔ معاہدہ یہود میں تو اسناد ہی منقطع ہے۔ اس کے متن میں بھی کلام کی گنجائش ہے پھر اس سے استناد کرنا اور معظمات امور میں استناد کرنا اور وہ بھی محض الفاظ کے سہارے پر بھلا یہ کہاں تک حجت و سند ہو سکتا ہے جب کہ یہ مسلم ہے کہ احادیث کی روایت اکثریہ بالمعنی ہے خصوصاً احادیث طوال کی بعض عہد ناموں کی بابت راویوں نے لکھا ہے کہ یہ عہد نامہ ہم نے بچشم خود دیکھا۔ اس کے لئے یہ بھی کوئی نہیں کہتا۔

لیجئے جناب مولوی صاحب کے مضمون کی تقریب بھی یہاں ختم ہوئی اب وہ نتیجہ آتا ہے جس کو معقول و مدلل ثابت کرنے کے لئے یہ مقدمات لائے گئے تھے۔ ورنہ میرے مضمون کو ہدنہ و صلح سے کیا واسطہ تھا۔ میں نے اس سے کب انکار کیا تھا۔ اور کس جگہ ان سے بحث کی تھی کہ ان کی تنقید میں ان باتوں کی ضرورت ہوئی۔ اب ناظرین دیکھ لیں گے کہ یہ صلح و معاہدہ کی باتیں جناب مولوی صاحب کیوں درمیان میں لائے۔ سنئے اور ہمہ تن گوش و ہوش ہو کر سنئے جناب مولوی صاحب فرماتے ہیں۔

"زیر بحث متحدہ قومیت بھی معاہدہ کی ایک قسم ہے۔"

ناظرین آپ نے دیکھ لیا کہ میرے مضمون کی تنقید اول میں بلا ضرورت تنقید معاہدہ کی بحث..... کیوں لائی گئی تھی۔

اچھا جناب مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ زیر بحث متحدہ قومیت معاہدہ کی ایک قسم ہے کوئی اسے مانے نہ مانے مجھے اس سے کیا۔ لیکن جناب مولوی صاحب مجھے اتنا بتادیں کہ یہ زیر بحث متحدہ قومیت کوئی قدیم چیز ہے یا نو تجویز اگر قدیم ہے اور معاہدہ کی ایک قسم ہے تو فرمایئے

کہ اس متحدہ قومیت کا کون کون سی اکابر امت کی کتابوں میں مذکور ہے کس کس نے اس کو معاہدہ کی قسم مانا ہے اور اگر یہ آپ کی ایک جماعت کی بنائی ہوئی چیز ہے تو پھر اکابر امت کی کتابوں میں ہدنہ و معاہدہ کے ابواب چھاننے اور ان سے حوالہ دینے سے فائدہ؟ پہلے متحدہ قومیت کو معاہدہ کا مترادف و متواطی تو ثابت کیا ہوتا۔ کسی محارب یا غیر محارب قوم سے صلح کرنا چیزے دیگر ہے اور ان سے مل کر یا ان کو ملا کر متحدہ قوم اور قومیت بنانا چیزے دیگر۔ ایک احکام کا دوسرے پر صادق آنا آخر کیسے معقول ہو گیا۔ اور ہو سکتا ہے اور اگر فرمائیں کہ ہماری اور ہماری جماعت کی مراد متحدہ قومیت سے محارب یا غیر محارب قوم سے باہمی مصالحت اور معاہدات ہی ہے تو عرف اظہر واشہر کو چھوڑ کر اس ایجاد کی ضرورت کیا پیش آئی اور اول ہی احکام مصالحت معاہدت ان کتابوں سے کیوں پیش نہیں کئے گئے جواب عند البحث پیش کئے جارہے ہیں نیز مصالحت و معاہدت کے مقابلہ میں متحدہ قومیت پر کیوں زور دیا جارہا ہے جبکہ وہ دونوں ایک ہیں۔

اب میں پھر اصل بحث کی طرف آتا ہوں جس کو سیاق چاہتا ہے۔

چونکہ قومیت کا لفظ اب درمیان میں آگیا ہے ذرا اس لفظ اور اس کے معنی و مفہوم کو بھی دیکھ لینا چاہئے کہا جاتا ہے کہ قوم کا لفظ عربی ہے اس کے معنی بھی لغات عربی سے متعین ہونے چاہئیں اور وہ بھی وہی ہوں جو قرآن و حدیث میں آئے ہیں یا زمانہ قرآن و حدیث میں مستعمل رہے ہیں۔ آج کل کے عرف کی ہی نہیں کہ یہ عرف بعد کی پیداوار ہے۔ بات معقول و نا قابل انکار ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ عرف وقت کا کیا ہے۔ عرف اس زمانہ میں قوم کا ایک عملی اور تنگ ہے جسے لفظی تعریف کی حیثیت سے برادری کہتے ہیں دوسرا علمی اور وسیع ہے۔ جس کا مصداق اس مجموعہ کو سمجھا جاتا ہے جس کا ایک نسب ہو، ایک زبان ہو، ایک وطن ہو، ایک مذہب ہو، ملتی جلتی معاشرت ہو، ان اوصاف میں جس قدر کسی جماعت میں کمی ہوگی اسی قدر اس کی قومیت کا رابطہ کمزور ہوتا جائے گا۔ خواہ قوم از قسم اول ہو یا از قسم ثانی۔ متحدہ قومیت بنانے کے حامی کہتے ہیں کہ ہماری مراد قومیت سے یورپ کی ایجاد کردہ متحدہ قومیت نہیں ہے مگر وہ خود یہ نہیں بتاتے کہ یورپ کی ایجاد کردہ قومیت یا متحدہ قومیت کا مفہوم ان کے نزدیک کیا ہے۔ اگر ان کی نگاہ میں قومیت کی علمی تعریف جو ابھی ہم نے بیان کی ہے یورپ کی ایجاد کردہ تعریف ہے۔ اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تعریف انگریزوں اور ان کی حکومت یا اس کے پروپیگنڈہ سے ہمارے ملک

میں پیدا ہوئی ہے تو میرے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ خود قرآن مجید میں اس قسم کے انسانی مجموعہ پر قوم کا اطلاع ہوا ہے۔ ولقد فتنا قبلهم قوم فرعون وجاء هم رسول كريم قوم فرعون ایک نسب کی طرف منسوب تھی ایک ملک میں رہتی تھی۔ ایک زبان بولتی تھی، ایک مذہب رکھتی تھی، ایک ہی اس کی معاشرت بھی ہوگی، قوم فرعون کی ان صفات سے انکار کرنا یا قوم نوح کو ان اوصاف سے متصف نہ ماننا سراسر مکابرہ ہے ہزار برس ہوئے خلیفہ متوکل عباس مرا تو یزید المہلبی نے اس کے مرثیہ میں ایک قصیدہ کہا۔ اس میں یہ دو شعر بھی ہے۔

قوم هم الخدم والانساب تجمعهم والمجد والدين والاحسام والبلد

اذا قريش ارادرشد ملكهم بغير فحطان لم يرح به أود

فحطان عرب کی ایک قوم کا نام ہے اسے ہمارے یہاں کی اسی عصری علمی اصطلاح کے موافق قوم کہا گیا ہے صرف ایک صفت ہم زبانی مذکور نہیں ہے۔ مگر زبان فحطان کی ظاہر ہے کہ ایک تھی۔ شاعر قوم کی حقیقت بیان کرنے نہیں بیٹھا تھا کہ کہ بات بات کا خیال رکھتا۔ تاہم وہ باتیں کہہ گیا ہے جن سے زمانہ ہزار برس میں بھی کچھ آگے نہیں سرک سکا۔

اچھا صاحب آپ نے دیکھا کہ ہم نے قوم کے موجودہ معنی (جس کو یورپ کی ایجاد اور انگریزوں کا پڑھایا ہوا سبق بتایا جاتا ہے) قرآن اور ہزار سالہ اشعار عرب سے پیش کر دیئے۔ اب ہم جناب مولوی صاحب اور ان کے ہم خیال حضرات سے دریافت کرنے کی جرأت کرتے ہیں کہ آپ حضرات اپنے خیال میں جب متحدہ قوم بنانے بیٹھے تو رسول اللہ کے زمانہ کی سی قوم بنانے بیٹھے (جس کی تعریف بھی بہ مصلحت ابھی تک مبہم اور گول ہی رکھی گئی ہے) اور قوم کے وہی معنی بھی رکھے جو قرآن وحدیث میں آئے ہیں، یا اس زمانہ کے لوگ باہم بول چال میں استعمال کرتے تھے اب آپ کے ہاں قومیت کے معنی بھی اسی زمانہ کی بول چال کے موافق ہوں گے اور ہونے چاہئے۔ اس لئے آپ کو بھی (اس زمانہ کی سی قوم بناتے وقت ماہیت جیسے لد، فلسفیانہ جعلی الفاظ استعمال کرنے اور ان کے محدث معنی مراد لینے کا کوئی حق انصافاً نہیں ہے۔ اس لئے اب مجھے جناب مولوی صاحب اور ان کے ہم خیال کہیں دکھادیں (قرآن وحدیث کا تو ذکر کیا ہے) کہ عربی زبان اور عربی لغت میں کہیں قومیت کا لفظ ان معنی میں آیا ہے جس میں وہ استعمال کر رہے ہیں اور لفظ متحدہ قومیت سے عوام وخواص اور متوسط درجہ کے پڑھے لکھے لوگ سمجھتے ہیں۔ عربی میں تو

قومیت کے معنی ہیں جسم کا خوبصورت گھات (سڈول پن) خاص کر اس عہد کی زبان میں جس کی روسے عربی الفاظ کے معنی متعین کئے جانے پر زور دیا جاتا ہے۔ یہ نہیں تو قومیت یا متحدہ قومیت کو معاہدہ ہی کے معنی میں دکھادیں۔

اب میں اختصار در اختصار کی طرف آتا ہوں اور ناظرین آئیں ان مسائل کی طرف جو میرے اور جناب مولوی صاحب کے درمیان زیر بحث چلے آتے ہیں۔

(برہان مارچ ۱۷۶۔۱۷۷۔۱۷۸) سیرت کی روایت فی حد ذاتہا تو سیرت ہی کی روایت کہلائے گی۔ تاہم میں نے زیر بحث روایت کو فقط سیرت کی روایت کہاں کہا ہے میں نے بلا فصل اس کے ساتھ ہی ابو عبید کی روایت لکھی ہے پھر فقط سیرت کی روایت کیونکر کہہ سکتا تھا ہاں ابو عبید کی روایت کی تنقید ضرور کی اور لکھا کہ اسناد اس کی بھی منقطع ہے روایت کو بھی نہ منقطع کہا نہ مرسل کہ اس کے متن کے بارے میں بھی مجھے کلام تھا کتاب الاموال بیشک احکام کی کتاب ہے۔ حدیث کی تو نہیں اور کیا حدیث کی بھی سب کتابیں اور ہر کتاب کی سب حدیثیں آنکھیں بند کر کے مان لینے کے قابل ہیں۔ کتاب الاموال احکام کی کتاب ہے اسی لئے تو حدیث کے باب میں زیادہ معتبر نہیں۔ کتاب الاحکام میں کسی حدیث کے آجانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ضرور قابل اعتبار و احتجاج ہے۔ زیر بحث روایت سے ابو عبید نے بھی احکام کا استخراج نہیں کیا ہے۔ روایت میں ابو عبید نے کلام بھی لغویانہ کیا ہے نہ محدثانہ، اپنی روایت کی آپ ہی توثیق کرنا بھی قابل اعتنا نہیں ہو سکتا۔ جناب مولوی زیر بحث روایت کو زہری کی مراسیل میں مان کر تیسرے درجہ کی مرسل روایت فرماتے ہیں۔ اس ضعف بر ضعف کے ساتھ ساتھ ابراهيم الحربی کی رائے کا اس پر اور اضافہ فرمالیں۔

"كان ابوعبيد ...... يحين كل شئی الا الحديث ...... واضعف كتبه كتاب الاموال ۔ يجئی الی باب فيه ثلاثون حديثا اوخمسون اصلاً عن النبی صلی الله عليه وسلم فيجيئی بخديث حديثين بجمعهما من حديث الشام ويتكلم فی الفاظهما۔

اور روایت زیر بحث میں او خال الروایۃ فی الروایۃ ایک حد تک ظاہر ہے یہ بات بھی محدثین کے نزدیک رد حدیث کا ایک سبب ہوتی ہے۔